وجود و ثبوتِ باری تعالیٰ پر ایک لمحۂ فکریہ

از جناب مولانا خواجہ سید محمد علی شاہ سہارنپوری

وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل قدیم فلسفہ ومنطق کی کتابوں میں بہت منتشر طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا خواجہ سید محمد علی شاہ صاحب نے اُن سب کو طرزِ استدلال کے مختلف عنوانوں کے ماتحت ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جن علماء یا طلبہ نے اِن دلیلوں پر مختلف مواقع پر غور کیا ہے، وہ سب بیک وقت اُن کے ذہن میں موجود رہ سکتی ہیں۔ اور اس مضمون کو پیشِ نظر رکھ کر وہ ضخیم و طویل کتابوں کی ورق گردانی سے ایک حد تک بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ ہم مولانا موصوف کی "برہان نوازی" کے شکرگذار ہیں، اور اس مضمون کو اسی فائدہ کے پیشِ نظر شائع کر رہے ہیں۔ ورنہ اس میں شک نہیں فلسفۂ جدید کی روشنی میں وجودِ باری کو ثابت کرنے کے لیے ان کے علاوہ اور بھی موثر، قوی اور نفسیاتی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں جو فلسفۂ جدید کا ایک مستقل مبحث ہیں۔ "برہان"

(۱)

موجود بحق واحد اول باشد ‏ ‏ ‏ باقی ہمہ موہوم و مخیل باشد
ہر چیز جز او کہ آید اندر نظرت ‏ ‏ ‏ نقش دومیں چشم احول باشد

انسانی عقل اپنے نقصان اور محدودیت کی بنا پر بہ آسانی منزلِ کمال اور سعادت کے ذروۂ علیا پر نہیں پہنچ سکتی۔ اور اپنی نارسائی و کوتاہی کی وجہ سے تمام اسرارِ کائنات وحقائقِ الٰہیہ پر

احاطہ پانا اس کے لیے دشوار ہے۔ اس لیے طبعی طور پر اس کا رجحان اس طرف ہے کہ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کر کے سکون و طمانیت حاصل کرے جو اُس کو بحث و تنقید اور دماغی کِد وکاوش کی مشقت میں ڈالے بغیر منزل مقصود تک راہ نمائی کرے۔

(۲)

خالق و مخلوق کے ذاتی تفاضل کی بنا پر عقلی حصر کے ساتھ یہ بات مبرہن و مدلل ہو کر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عقلِ سلیم جس چیز پر اعتماد اور کامل یقین کر سکتی ہے وہ صرف خدائی کلام، ربانی الہام وحی الٰہی اور نقل صحیح ہے اور بس۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

(۳)

الہامیات میں از روئے عقل سب سے اعلیٰ مرتبہ قرآن مجید کا ہے۔ کیونکہ یہ آخری کتاب اکمل و اکمل درس ہے جو اقرب طرق سے تقرب الٰہی و رضائے خداوندی کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو اوّل سے آخر تک یقین ہی یقین ہے۔ اس کے دعوے بھی یقینی ہیں اور دلائل بھی۔ اس میں نہ ریب و شک کی جگہ ہے نہ تردد و تذبذب کی گنجائش۔

یہ ایک سماوی قانون ہے جو انسانی فطرت کی صحیح ہدایت اور راہ نمائی کے لیے عطا ہوا ہے اور انسانی دستبرد سے ابد تک محفوظ رکھا گیا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا پر ہے۔

یہ ایک مکمل دستور العمل ہے جو دنیا و آخرت اور موت و حیات کی ہر ہر جزئی کی اجمال نما تفصیل و تشریح ہے۔ معاش و معاد کے شخصی و نوعی، انفرادی و اجتماعی ہر ہر شعبہ اور ہر ہر صیغہ پر حاوی ہے۔

قرآن حکیم بحث و تکرار، اور تدبر و تفکر کا عظیم الشان داعی ہے۔ سعی و عمل اور جہد مسلسل میں مشغول رہنے کا طالب ہے۔ ناموس فطرت اور معارف الٰہیہ کا حقیقی ترجمان ہے۔

قرآن شریف کو اگر صرف تمدن و عمرانیت کے اصول و قوانین اور فلسفہ و سائنس کے مبادیات و مہمات کا مرکز قرار دیا جائے تو اس سے قرآن عظیم کی وقعت میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی تنزیل کا مخصوص مقصد اور ہدایت و غایت روح و قلب کا تزکیہ و تصفیہ، اخلاق کی جلاء، جذبات و حسیات کی تہذیب اور خیالات و اعتقادات کی تقدیس ہے یہی اس کا خاص عنوان اور مخصوص موضوع ہے۔ اگرچہ اس کی جامعیت اور تفصیل و بیان لکل شئی ہونا، اور اس کی تاثیرات و تعلیمات کا ہر قسم کے دینی اور دنیاوی ضروریات کی تکمیل پر مشتمل ہونا تمام کتب سماویہ کے مقابلہ میں اک امتیازی شان و وقار رکھتا ہے۔

انسانی فطرت کے اندر جو باتیں مستور ہیں، ان کی اصلاح و استحکام اور ہدایت و فلاح کے لیے یہ ایک عالمگیر پیغام عمل ہے۔

اس کے معانی و مطالب کی حقیقت نہایت واضح اور روشن ہے۔

اس کے ارشادات و بصائر، عرفان و بصیرت کی روشنی کو قوت اور قوت میں زیادتی بخشتے ہیں۔

اس کے مواعظ و حکم غفلت و سرشاری اور طغیان و تمرد سے باز رکھتے ہیں۔

اس کے قصص و امثال سے عبرت و نصیحت کا فتح باب ہوتا ہے۔

اس کتاب حکیم کے مبادی و مقاصد سراپا حکمت ہیں اور عقل و بصیرت کی تشفی کا تمام سامان اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔

اس کا اسلوب بیان کسی قسم کی حجت و برہان اور دلیل و استدلال سے خالی نہیں۔ اور کچھ ایسا حکمت بھرا ہے کہ عامی سے عامی شخص بھی ادنیٰ تامل اور ذرا سے غور و فکر کرنے پر اس کے مطالب و مقاصد کا حقیقت آشنا بن کر اپنی روحانیات و عمرانیات کے ہر شعبہ و صیغہ پر کمال واقفیت پیدا کر سکتا

ہے۔ اور ایک مرتب و مسلسل نظام کے تحت دنیا و آخرت اور جسمانی و روحانی زندگی کے ہر ادارے کو مناسب انداز پر چلا سکتا ہے۔

اس کا طرز استدلال نہایت صاف سادہ اور فطری ہے۔

اس کا طریق رشد و ہدایت کسی خاص فنی روش اور مخصوص وضعی اسلوب پر نہیں۔ ذوقِ سلیم اور فہم صحیح فطرت بشری کی تمام مقتضیات اور ضروریات کو اس میں موجود پا رہی ہے۔

(۴)

گو دنیا کی ہر چیز انسان کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر اس کو اپنے فرائض سے غافل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اور مادی کثافتیں، ملکوتی صفات اور بلند و بالا روحانی مقامات سے انسان کو دور کر رہی ہیں، مگر ہر شخص اپنے خیال اور حیثیت کے مطابق، اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں اپنی اصلی فطرت کی طرف رجوع کرتا اور خدائے وحدہ لاشریک کا زبان سے نہ سہی دل سے اور صدق دل سے اقرار کرلیتا ہے۔

انسانی فطرت مجبور و مضطر ہو جاتی ہے کہ اپنے مالک و خالق کی طرف رجوع کرے۔

یہاں انسان کا اندرونی حال اور باطنی مجبوری دوسرے پر نہ سہی خود اس کے اپنے اوپر تو ضرور واضح ہو جاتی ہے اور اصل حال کھل جاتا ہے۔

قرآن حکیم انسانی فطرت میں جو عقل پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کا سب سے پہلا سبق یہی ہے کہ ایک واحدِ مطلق، قادر علی الاطلاق، اور مختار کل ہستی کا ثبوت و وجود ثابت و محقق ہے جس کی ذات تمام صفاتِ کمالیہ کی مستحق۔ اور صفات تمام عیوب و نقائص سے منزہ۔ اور افعال تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہیں۔

(۵)

نوع انسانی چونکہ اپنے جدا جدا خیالات، قسم قسم کی معلومات، اور علحدہ علحدہ ماحول کے اعتبار سے

مختلف طبقوں پر مشتمل ہے۔ بلکہ ایک انسان بھی اپنی مختلف حیثیتوں اور تنوعِ افکار کے لحاظ سے نہ
وجہ کتنے فرقوں پر منقسم ہے۔ تو اس کے لیے صرف قرآنِ عزیز ہی ایک ایسا جامع اکمل آئین و اصول
دستور العمل ہے جو ہر فردِ انسانی کو انفراداً و اجتماعاً اس کے مدارج و مراتب کے لحاظ سے فکر و عمل
مطالعہ و تدبر کی دعوت عام دے رہا ہے۔

شخص خواہ دیہاتی ہو یا شہری، عالم ہو یا ناخواندہ، بوڑھا ہو یا جوان، اپنی علمی و عملی، کاروباری
بارتی، غرضکہ زندگی کے ہر گوشہ میں۔ دعوے۔ دلیل اور نظر و استدلال سے کام لیتا ہے۔ محاورات
روزمرہ کی بول چال میں بھی طفلِ نوخیز تک اپنے خیال کے اظہار پر تمثیل واقعات بیان کرتا اور
سمجھ کے موافق برہان و حجت قائم کر دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس انداز و روش سے بھی حد درجہ اعتنا
ہے اور قوائے فکریہ کو تلاش و جستجو کے میدان میں سرگرمِ عمل ہونے کا موقع دیا ہے۔ سعی و عمل کے
ساتھ اعمالِ فکر و عمقِ نظر قرآن کا مطلوبِ اوّلین ہے۔

(۶)

چونکہ انسانی عقل اور ممارستِ علمی، ہر عام مفہوم میں خصوصیت اور عقلی و طبعی، شرعی و وضعی
بنیاد و حصر پیدا کرنے کی عادی ہے تاکہ کوئی گوشہ گرسنۂ تحقیق اور کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے اس
لیے ابتدائی طور پر دلیل کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ وجدانی اور نظری۔ پھر نظری کی بھی دو قسمیں ہیں تام
جزوی۔ اور پھر جزوی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ تمثیل، استقراء۔ اور آگے چل کر استقراء کی بھی دو قسمیں ہیں
ناقص اور تام۔

استقراءِ تام قیاس ہے اور قیاس کو پانچ قسموں پر منقسم کیا جاتا ہے۔ برہانی، خطابی، جدلی،
مغالطہ۔

قیاس برہانی کی بھی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ جن کو اِنّی اور لِمّی کہتے ہیں اور ان ہی کو طبعی و

النبی بھی کہا جاتا ہے۔

(۷)

تتبع وتفحص، اور تفتیش وجستجو کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ باری تعالیٰ جل مجدہٗ کی وحدانیت و وجود پر قرآنِ حکیم میں سوائے سفسطہ ومشاغبہ کے جملہ اقسام دلیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور قرآنِ حکیم میں دلیل کے اقسام بتمامہ موجود ہیں۔

رہے یہ فنی اصطلاحات اور علمی عنوانات جو قرآنِ حکیم کی علمی وعملی خدمات بجالانے پر ہر زمانہ میں پیدا ہوئی اور ہوتی رہتی ہیں خواہ وہ علم تصوف واخلاق، فلسفۂ اسلام اور منطق صحیح سے تعلق رکھتی ہوں یا علم جدل وخلاف، مناظرہ واصول کلام کے مناسب ہوں، تمام کے تمام فہم قرآن ہی کا ثمرہ ونتیجہ ہیں۔ اور تقریبی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن ہی سے مستنبط وماخوذ ہیں۔

(۸)

تسہیل، تعمیم نفع، تشحیذ اذہان اور تجدید خیال کے لیے دلیل کی جملہ اقسام کی مثالیں الگ الگ ذیل میں درج ہیں۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

۱۔ وجدانی:۔ ذاتِ خداوندی کے وجوب وجود اور وحدانیت پر فطرت انسانی میں ایک قوی انجذاب وکشش ہے۔ اور طبیعت خود بخود ایک مالک، خالق واحدِ مطلق کے تسلیم کرنے پر مجبور و مضطر ہے۔

۲۔ تمثیل:۔ نظر عقلی کے اعتبار سے شے کی تین قسمیں ہیں۔ کوئی شے ان تین احتمالات سے خالی نہیں ہوسکتی۔ شے کا وجود بالنظر الی الذات ضروری العدم ہوگا یا ضروری الوجود۔ یا نہ ضروری العدم ہوگا اور نہ ضروری الوجود۔ اول ممتنع ومحال ہے۔ اور بحث سے خارج ہے۔ ثانی واجب ہے، اور

ثالث ممکن، اور ممکن موجود ہے۔ لہذا واجب بھی موجود ہوگا کیونکہ امکان و وجوب دونوں وجود کے مستحق ہیں اور وجوب استحقاق وجود میں ممکن پر مرجح ہے۔ لہذا واجب بدرجۂ اولیٰ موجود ہوگا اور واجب ہی کا نام خدا ہے[ا]۔

۳۔ استقراء:۔ اکثر موجوداتِ عالم علت کی محتاج ہیں۔ اس بنا پر ہر موجود علت کا محتاج ہے۔ لہذا تمام عالم علت کا محتاج ہے۔ کیونکہ ہر ممکن بغیر واجب ناممکن ہے، پھر واجب یا ممکن کے لیے علتِ محض ہوگا جس کے لیے عقل، شعور، ارادہ، قدرت ضروری نہیں یا علت بحیثیت فاعل مختار، قادر، ذی ارادہ ہوگا۔ پہلی صورت اس لیے صحیح نہیں کہ علت محضہ ذی شعور، ذی ارادہ ممکن کے لیے علتِ تام نہیں بن سکتی۔ اور دوسری صورت میں واجب الوجود ہی کا نام خدا ہے۔

۴۔ قیاس برُہانی:۔ (۱) "طبعی یا انّی" عالم کا ہر شعبہ اور کائنات کا ہر حصہ ایک نہایت متسق و منتظم اور احسن ترتیب پر چل رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مدبر حکیم صانع کی صنعت و حسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے۔

(۲) "الٰہی یا لِمّی" عقل تسلیم کرتی ہے کہ کوئی ایسی ہستی اور ذات یقیناً موجود ہے جس کا وجود کامل بھی ہے اور خانہ زاد و ذاتی بھی۔ اور اسی وجود کامل پر یہ سلسلۂ کائنات جس کا ہر فرد ناقص ہے منتہی ہو جاتا ہے اور وہی وجودِ کامل خدا ہے۔

۵۔ قیاس خطابی:۔ ہر زمانہ میں خدا کے ماننے والے بہ کثرت موجود رہتے چلے آئے

[ا] فاضل مضمون نگار کی اس دلیل سے واجب کے وجود کا ثبوت بیشک مدلل و مبرہن ہوتا ہے لیکن واجب کا خدا ہی ہونا محتاج نظر ہے۔ اس لیے کہ واجب کے وجود کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ مسئلہ پھر بھی بحث طلب رہ جاتا ہے کہ واجب الوجود حساس، ذی شعور، صاحب علم و ارادہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو وہ خدا نہیں ہو سکتا، اور اگر ہے تو اس کے ثبوت کے لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے۔ جو تمثیل کے زیر عنوان اس دلیل سے ثابت نہیں۔ نیز یونانی نظریات کے سلسلہ کی یہ دلیل موجودہ فلسفہ کے جدید نظریہ کی روشنی میں بھی ناتمام اور ناقص ہے۔ انشاء اللہ کسی دوسرے وقت اس مسئلہ کو مفصل سپرد قلم کیا جائیگا۔ برہان

ہیں۔ عارفین اور اصحاب ادراک و معرفت نے اپنے عرفان و بصیرت، کشف و مشاہدہ اور ارشادات و ملفوظات سے مصلحین و واعظین نے اپنے مواعظ و بیانات سے، فلاسفہ و حکماء نے اپنے حکیمانہ اقوال و مقالات سے۔ ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کا خود بھی اقرار کیا اور دوسروں سے بھی اقرار کرایا۔

۶۔ **قیاس جدلی**:۔ اہل باطل کا عقیدہ ہے کہ مادہ ہی ایسی چیز ہے جس میں ابتدائً تغیر و تبدل ہوا، اب اہل حق کی طرف سے پوچھا جائیگا کہ مادہ کے اس تغیر کی علت کیا ہے۔ مادہ ہی ہے یا کوئی اور شے۔ خود مادہ ہی اس تغیر کی عت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ لہذا مادہ کے علاوہ کوئی دوسری شے اس تغیر کی علت ہوگی اور وہ خدا ہے۔

۷۔ **قیاس شعری**:۔ بدو فطرت سے روح اپنے مطلوب حقیقی کی تلاش میں ماہیٔ بے آب کی طرح وسیع کائنات کے ہر گوشۂ وادی میں سراسیمہ و سرگرداں پھر رہی تھی لیکن کہیں بھی اپنے مطلوب کو نہ پاسکی۔ ایک ایک ذرہ پر نظر ڈالی، دیکھا، بھالا، تلاش و غور کیا، چھان بین کی۔ معائنہ و مشاہدہ کیا۔ بالآخر وہ شاہد حقیقی جب اپنے جمال جہاں آرا و عالمتاب سے خود ہی لباس مجاز میں جلوہ افروز و دیدار نما ہوا تو روح اپنے معبود حقیقی اور مطلوب تحقیقی سے وصال پاکر سجدہ میں جا پڑی اور جام تسکین سے سیراب ہوئی۔

(۹)

الوہیت کے دلائل بے شمار و لاتعداد ہیں۔ ان تمام کا احاطہ تھوڑی سی فرصت میں غیر ممکن ہے۔ سابق میں دلیل کے جملہ اقسام میں سے ہر قسم کے دلیل کی ایک ایک مثال پر اکتفا کی گئی ہے۔ استقراءِ تام، قیاس برہانی میں دلیل اِنّی کی مثالیں بہت کثرت کے ساتھ شائع و رائج پذیر اور زبان زد خلائق ہیں۔ اور بآسانی مل جاتی ہیں۔ کیونکہ انسانی طبیعت کا رجحان اور لگاؤ زیادہ تر

اسی کی طرف ہے۔ یہاں پر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند اصل الاصول، بنیادی مقدمات جو ایک دوسرے پر موقوف بھی ہیں ذکر کرتا ہوں۔

یہ ایک نفس الامری حقیقت ہے کہ (۱) ہر ممکن واجب کا محتاج ہوتا ہے۔

چونکہ عقل خود بخود بتلاتی ہے کہ

(۲) یہ نظم و حکمت اور حسن تدبیر جو کائنات اور عوالم میں طاری و ساری ہے محض اتفاقی اور اتفاقیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ فکر و درایت اور تدبیر و حکمت کا نتیجہ و غائت ہے۔

یہ اس لیے کہ

(۳) یہ بات بھی اقتضائے عقل کے خلاف ہے کہ ناقصات کا سلسلہ بدون کسی کامل کے ختم ہو جائے۔

یہ چند بنیادی مقدمات ہیں جو اصول موضوعہ کے طور پر مسلم ہیں اپنے مقام پر ثابت شدہ اور تمام اپنی دلائل کے مرجع اور اصل الاصول ہیں، تفصیل، توضیح اور تشریح کے طور پر ان ہر سہ مقدمات کی تمثیل یوں ہو سکتی ہے کہ

۱۔ ہر ممکن مؤثر کا محتاج ہے۔ اور عالم ممکن ہے۔ لہذا عالم بھی مؤثر کا محتاج ہے۔ اب یہ مؤثر ممکن تو ہو نہیں سکتا ورنہ دور یا تسلسل لازم آئیگا۔ بلکہ واجب ہوگا اور وہی خدا ہے۔

۲۔ عالم سراسر منتظم و مرتب ہے۔ اور کوئی منتظم و مرتب شے اتفاقی نہیں ہو سکتی بلکہ کسی صانع و مدبر اور حکیم کی صنعت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لہذا یہ عالم بھی کسی صانع و مدبر و حکیم کی صنعت ہے اور وہ صانع حکیم، خدا ہے۔

۳۔ تمام عالم ناقصات کا مجموعہ ہے اور ہر ناقص اپنے وجود میں کامل کا محتاج، اور اس کا مقتضی ہے اور وہ وجودِ کامل خدا ہے۔

(۱۰)

عبارا تنا شتّٰی وحسنک واحدٌ

اگر قلبی اطمینان اور روحانی تشفی کے لیے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو یوں سمجھیے کہ

۱۔ دلیل طبیعت ۔ تمام عالم اپنے نظم و ترتیب اور نوامیس طبعیہ کے اعتبار سے معلول عقلی ہے اور ہر معلول عقلی، علت عاقلہ کا مقتضی ہے ۔

۲۔ دلیل غایت ۔ کائنات کے ہر فرد کی ماہیت، انسانی وجود کی ضروریات کے موافق ہے ۔ یہ موافقت اتفاقی نہیں ۔ بلکہ فاعل با اختیار کے ارادہ کا ثمرہ ہے ۔

۳۔ دلیلِ اختراع ۔ تمام موجودات مُختَرَع اور معقول ہیں ۔ اور ہر مُختَرَع شے اپنے مُختَرِع اور فاعل کی محتاج ہے ۔

۴۔ دلیل حدوث ۔ عالم حادث ہے اور ہر حادث علّتِ محدثہ کا محتاج ہے ۔

۵۔ دلیل توقف ۔ ہر "ما بالعرض" شے کا وجود بدون "ما بالذات" کے ممتنع ہے ۔ اور عالم "ما بالعرض" ہے ۔ لہٰذا اس کے لیے بھی "ما بالذات" ضروری ہوا ۔

۶۔ دلیل انعکاس ۔ عالم موجود وہمی ہے ۔ اور ہر موجود متوہم کسی موجود اصلی کا انعکاس ہوتا ہے اور موجود اصلی خدا ہے ۔

۷۔ دلیل تقابل ۔ عالم کثرتِ محض ہے ۔ اور ہر کثرت وحدت کی متقاضی ہے ۔ اور وحدت محضہ سے متصف، خدا ہے ۔

۸۔ دلیل مقابلہ ۔ عالم سلسلہ تقییدات ہے ۔ اور تمام تقییدات، اطلاق کا تقاضہ کرتی ہیں ۔ لہٰذا عالم بھی مطلق کا مقتضی ہوا ۔ اور ہستی مطلق صرف خدا ہے ۔

(۱۱)

یہ آفتاب ہی کرم اُسکی کبریائی کا — کہ ذرّہ ذرہ ہی آئینہ خودنمائی کا

خلاصۂ کلام یہ کہ ہر شے، ہر ممکن، ہر موجود، جس طرح بھی دیکھا جائے اپنی فطرت وحالت کے اعتبار سے وجود باری پر گواہ ہے۔ ضرورت غور وفکر کی ہے گو وجود الٰہی اپنے ثابت لنفسہٖ اور موجود بوجود ذاتی واصلی ہونے کی بنا پر نظر واستدلال کا محتاج نہیں۔ بلکہ صرف تنبیہ وتوضیح کافی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ خواہ دلیل واستدلال سے کام لیا جائے یا توضیح وتنبیہ سے۔ بغیر تصدیق وتسلیم، انسان کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے

او وجودِ چمن آرائے ازل کے منکر! — خود بخود گل ہوئے موجود نہ خار آپ سے آپ

ایک عربی سادہ ذہنیت نے کیسی بلیغ تشبیہ سے کام لیا ہے۔

البعرة تدل على البعير، وآثار الاقدام على المسير، فالسماء ذات البروج، والارض ذات الفجاج كيف لا تدلان على الصانع القدير۔ (مینگنی سے اونٹ کا، نشانِ قدم سے رفتار کا پتہ چل جاتا ہے تو یہ برجوں والا آسمان، اور کشادہ راستوں والی زمین، اپنے بنانے والے مالک خالق کا پتہ کیوں نہیں دے رہے)

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی — ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

(۱۲)

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم — وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر — ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

سعید روحیں مطمئن ہیں کہ وہی دائمی مسرت اور وصال ابدی کی مستحق ٹھہرینگی کیونکہ اُنہوں نے "الست بربکم" کے جواب میں مستانہ وش "بلیٰ" کا نعرۂ والہانہ لگا کر شاہد حقیقی کے مشاہدۂ وجود ومعائنۂ

میں اپنی ہستی کو فراموش کردیا ہے ۔ اور طالبانِ حقیقت و رہ نوردانِ شاہ راہِ معرفت کو

"العجزعن درک الادراک ادراک"

کا تسمۂ جاں نواز لگاکر ، عرفانی رمزکشائی میں مشغول و منہمک بنادیا ہے ۔

جستجو میں تری دوڑیں نہ جو ٹوٹیں وہ پاؤں
سر وہ کٹ جائے کہ جس میں نہ ہو سودا تیرا

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

"اُردو زبان اور تفسیرِ قرآن"

کے نام سے ایک اہم کتاب کی ترتیب و تدوین ہورہی ہے جس میں ان تمام مصنفین و مولفین کا تذکرہ ہوگا ، جنھوں نے اُردو زبان میں قرآن عزیز کی کوئی مستقل تفسیر لکھی ہے یا کسی عربی تفسیر کا ترجمہ کیا ہے یا کم ازکم کسی قرآنی مسئلہ پر کوئی تصنیف کی ہے ۔

لہٰذا اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ جن حضرات نے اُردو زبان میں قرآنِ عزیز کی کوئی خدمت کی ہو وہ اپنا مختصر سا تذکرہ اپنی کتاب کے ساتھ روانہ فرمادیں تاکہ ہم کو درج کرنے کا موقع ملے ۔

حضرات اہل علم سے قوی اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ضرور قرآن اور اُردو زبان کی اس خدمت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے ۔

معتمد دائرہ قرآنیہ سید صبغۃ اللہ حسینی بختیاری (فاضل دیوبند)
اُستاذ جامعہ دارالسلام ۔ عمرآباد ۔ ضلع شمالی ارکاٹ